Research Journal of Islamic Studies

Volume: 3 Issue: 1

Jan-Jun 2026

Page No: 01-12

The Govt. Sadiq College Women University Bahawalpur

https://journals.gscwu.edu.pk/index.php/mishkat-ulilm/about

ڈیجیٹل دور میں مسلم اُمّہ کی شناخت

Identity of the Muslim Ummah in the Digital Age

Aqsa Shabbir
Bahawalpur, Pakistan.

Abstract

The digital age refers to the era of modern technology. In this age, the identity of the Muslim Ummah has become a complex issue. This article presents the identity of the Muslim Ummah in the context of the digital era, where the internet and social media have significantly influenced the values and culture of Muslims. This article examines both the positive and negative impacts of social media and modern technology on the identity of the Muslim Ummah. The traditional identity of the Muslim Ummah is based on the beliefs and values of Tawheed (Oneness of Allah), Risalat (Prophethood), trust in Allah (Tawakkul), patience (Sabr), justice and fairness, equality, and good moral character. The paper discusses that, on one hand, social media has provided many facilities for the Muslim Ummah, such as broad platforms for the spread and preaching of Islam, religious education, and communication. On the other hand, it has also created several negative impacts, including cultural crises, fake news, Islamophobia, and the dominance of Western culture. The purpose of this paper is to explore how the Muslim Ummah can preserve its identity in the digital age while positively utilizing modern technology within Islamic boundaries. Social media can be used for Islamic teachings and preaching, spreading Islamic content, and providing moral guidance.

Keywords: Digital Ummah, Social media or Islam, Online Dawat, Digital Challenges, Islami Iqdar

ڈیجیٹل دور کا تعارف

ڈیجیٹل عہد سے مراد انسانی تاریخ کا وہ دور ہے جس میں کمپیوٹرز، جدید ٹیکنالوجی، انٹرنیٹ اور ڈیجیٹل آلات کی بدولت معلومات تک رسائی نہایت آسان ہو گئی ہے۔ یہ انسانی ترقی کا ایک نمایاں مرحلہ ہے جس نے ابلاغ، تعلیم، تجارت، تفریح اور زندگی کے تقریباً تمام شعبوں میں گہری تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ اس دور کا آغاز بیسویں صدی کے وسط میں ہوا۔ ڈیجیٹل عہد نے امتِ مسلمہ کی شناخت اور طرزِ زندگی پر بھی نمایاں اثرات مرتب کیے ہیں۔ اگرچہ اس نے روزمرہ زندگی کو زیادہ سہل اور آرام دہ بنایا ہے، لیکن اس کے ساتھ امتِ مسلمہ کو نئے فکری، سماجی اور اخلاقی چیلنجز کا بھی سامنا کرنا پڑا ہے۔

ڈیجیٹل دور کے مثبت اثرات

ڈیجیٹل دور نے انسانی زندگی میں بے شمار مثبت تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی، انٹرنیٹ اور ڈیجیٹل ذرائع نے معلومات تک رسائی، رابطے، تعلیم، صحت اور کاروبار کے شعبوں کو پہلے سے کہیں زیادہ آسان اور مؤثر بنا دیا ہے۔ آج دنیا کے مختلف حصوں میں رہنے والے لوگ چند لمحوں میں ایک دوسرے سے رابطہ کر سکتے ہیں اور علم و معلومات کے وسیع ذخیرے سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اسی طرح آن لائن تعلیم، ٹیلی میڈیسن اور ڈیجیٹل کاروبار نے ترقی کے نئے مواقع پیدا کیے ہیں۔ ان تمام سہولیات کی بدولت زندگی تیز، منظم اور زیادہ سہل ہو گئی ہے، جس سے فرد اور معاشرے دونوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

معلومات تک آسان رسائی:

ڈیجیٹل ٹیکنالوجی اور سوشل میڈیا نے علم و معلومات کے بے شمار ذرائع فراہم کر دیے ہیں۔ آج دنیا کے کسی بھی موضوع کے بارے میں چند لمحوں میں معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ کتابیں، مضامین، خبریں اور تعلیمی ویڈیوز ہر وقت دستیاب ہیں۔

ابلاغ میں انقلاب:

ای میل، واٹس ایپ اور مختلف سوشل میڈیا پلیٹ فارمز نے دنیا کو ایک گلوبل گاؤں میں تبدیل کر دیا ہے۔ اب ہزاروں میل دور موجود افراد نہ صرف فوری رابطہ کر سکتے ہیں بلکہ ویڈیو کال کے ذریعے ایک دوسرے کو دیکھ اور سن بھی سکتے ہیں۔

معاشی ترقی:

ڈیجیٹل بینکنگ، ای کامرس اور آن لائن کاروبار نے معاشی سرگرمیوں میں نمایاں اضافہ کیا ہے۔ ان سہولیات نے تجارت کو آسان بنایا اور اقتصادی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

تعلیم اور صحت کے شعبے میں سہولتیں:

ٹیلی میڈیسن کے ذریعے مریض گھر بیٹھے ماہر ڈاکٹروں سے مشورہ اور علاج حاصل کر سکتے ہیں، جس سے وقت اور اخراجات دونوں کی بچت ہوتی ہے۔ اسی طرح آن لائن تعلیم نے سیکھنے کے مواقع میں اضافہ کیا ہے۔ خصوصاً COVID-19 کے دوران تعلیمی اداروں اور کاروباری سرگرمیوں کا تسلسل بڑی حد تک آن لائن ذرائع کی بدولت برقرار رہا۔

ہنر سیکھنے کے مواقع:

انٹرنیٹ کے ذریعے مختلف کورسز اور مہارتیں سیکھنا آسان ہو گیا ہے۔ سلائی، کڑھائی، کھانا پکانے، بیوٹیشن اور دیگر پیشہ ورانہ مہارتیں گھر بیٹھے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اس طرح کم وقت میں زیادہ علم اور تجربہ حاصل کرنا ممکن ہو گیا ہے۔

مختصراً، ڈیجیٹل دور نے زندگی کو تیز، سہل اور مؤثر بنا دیا ہے اور علم و آگہی کے بے شمار دروازے کھول دیے ہیں۔

چیلنجز اور منفی اثرات

اگرچہ ڈیجیٹل دور نے انسان کو بے شمار سہولتیں فراہم کی ہیں، لیکن اس کے ساتھ کئی سماجی، اخلاقی اور تعلیمی مسائل بھی جنم لے رہے ہیں۔ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے بے جا استعمال نے افراد، خصوصاً نوجوانوں اور بچوں کی زندگیوں پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ وقت کا ضیاع، اخلاقی گراوٹ، ذہنی دباؤ، سائبر جرائم اور خاندانی تعلقات میں کمزوری جیسے مسائل جدید ڈیجیٹل دور کے اہم چیلنجز بن چکے ہیں۔ اسی طرح جدید ٹیکنالوجی کے غلط استعمال سے معاشرتی اقدار اور ثقافتی شناخت کو بھی خطرات لاحق ہو رہے ہیں، جن پر توجہ دینا اور ان کا مؤثر حل تلاش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

اخلاقی مسائل میں اضافہ:

انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا پر موجود غیر اخلاقی اور نامناسب مواد نوجوان نسل کے اخلاق و کردار پر منفی اثرات مرتب کر رہا ہے، جس کی وجہ سے بعض اوقات اندھی تقلید اور اخلاقی انحطاط دیکھنے میں آتا ہے۔

بچوں کی تربیت کے مسائل:

موبائل فون اور انٹرنیٹ کے بڑھتے ہوئے استعمال نے بچوں کی تربیت کو متاثر کیا ہے۔ بہت سے بچے کم عمری میں ہی موبائل کے عادی ہو جاتے ہیں، جس سے ان کی جسمانی اور ذہنی صحت متاثر ہوتی ہے۔ نظر کی کمزوری اور توجہ کی کمی جیسے مسائل بھی بڑھ رہے ہیں۔

خاندانی تعلقات میں کمزوری:

سوشل میڈیا اور موبائل فون کے زیادہ استعمال نے افراد کو ایک دوسرے سے دور کر دیا ہے۔ اکثر خاندانوں میں افراد ایک ہی جگہ موجود ہونے کے باوجود باہمی گفتگو کے بجائے اپنی ڈیجیٹل مصروفیات میں مشغول رہتے ہیں۔

وقت کا ضیاع:

بہت سے نوجوان اور بچے اپنا قیمتی وقت ٹک ٹاک، ریلز اور آن لائن گیمز میں صرف کرتے ہیں، جس سے ان کی تعلیمی کارکردگی اور صحت متاثر ہوتی ہے۔

ذہنی دباؤ اور نفسیاتی مسائل:

سوشل میڈیا کے حد سے زیادہ استعمال کے نتیجے میں ڈپریشن، بے چینی، مایوسی اور دیگر نفسیاتی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔

سائبر جرائم اور آن لائن دھوکہ دہی:

ڈیجیٹل دنیا میں ذاتی معلومات کے افشا ہونے، ڈیٹا چوری اور مختلف قسم کے آن لائن فراڈ کے خطرات بھی موجود ہیں، جو افراد اور اداروں کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

ڈیجیٹل عدم مساوات:

دیہی علاقوں میں انٹرنیٹ اور جدید ٹیکنالوجی تک رسائی نسبتاً محدود ہے، جس کی وجہ سے وہاں کے لوگ ڈیجیٹل سہولیات اور مواقع سے مکمل طور پر فائدہ نہیں اٹھا پاتے۔

تعلیم پر منفی اثرات:

بعض نوجوان شہرت اور مالی فائدے کے حصول کی خاطر سوشل میڈیا پر زیادہ وقت صرف کرتے ہیں، جس کے باعث ان کی توجہ تعلیم اور علمی ترقی سے ہٹ جاتی ہے۔

مصنوعی طرزِ زندگی کا رجحان:

سوشل میڈیا پر دکھائی جانے والی پر تعیش اور غیر حقیقی زندگی بعض افراد میں حسد، مایوسی اور احساسِ کمتری کو جنم دیتی ہے۔

مغربی ثقافت کا اثر:

سوشل میڈیا کے ذریعے مغربی تہذیب اور فیشن کے رجحانات تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ بعض اوقات نوجوان اسلامی تعلیمات اور معاشرتی اقدار کو نظر انداز کرتے ہوئے ان رجحانات کی تقلید کرنے لگتے ہیں، جس سے اخلاقی اور ثقافتی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

امتِ مسلمہ کی شناخت

اسلامی تعلیمات کے مطابق امتِ مسلمہ ایک ایسی عالمی برادری ہے جو عقیدۂ توحید اور رسول اکرم ﷺ کی پیروی کی بنیاد پر دیگر اقوام سے منفرد مقام رکھتی ہے۔ اس کی شناخت قرآن و سنت، اسلامی اقدار، عقیدۂ رسالت اور مضبوط اخلاقی اصولوں سے وابستہ ہے۔ یہی خصوصیات امتِ مسلمہ کو دنیا میں ایک ممتاز اور باوقار حیثیت عطا کرتی ہیں۔

قرآن میں امت مسلمہ کی تعریف

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا"[1]

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک معتدل اور بہترین امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔"

اس آیت میں امتِ مسلمہ کی نمایاں صفت توازن اور اعتدال کو بیان کیا گیا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو زندگی کے ہر شعبے میں میانہ روی اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے، چاہے معاملہ عبادات کا ہو یا روزمرہ معاملات کا۔ یہی اعتدال امتِ مسلمہ کی منفرد شناخت ہے۔ بعض مذاہب میں دنیاوی امور سے کنارہ کشی اور صرف عبادت میں مشغول رہنے کو ترجیح دی جاتی رہی، جبکہ اسلام نے انسان کو دین اور دنیا کے درمیان متوازن راستہ اختیار کرنے کی ہدایت دی ہے۔ اسلام نہ صرف عبادت کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے بلکہ حلال روزی کمانے، اہلِ خانہ کی ضروریات پوری کرنے اور ان پر خرچ کرنے کو بھی نیکی اور باعثِ اجر قرار دیتا ہے۔ اس طرح اسلام ایک متوازن طرزِ زندگی پیش کرتا ہے جس میں روحانی اور دنیاوی دونوں پہلوؤں کا خیال رکھا جاتا ہے۔[2]

دنیا کی مثال ایک کشتی کی مانند دی جاسکتی ہے۔ جس طرح کشتی پانی کی سطح پر رہتے ہوئے محفوظ طریقے سے اپنا سفر جاری رکھتی ہے، لیکن جب پانی اس کے اندر داخل ہو جائے تو اس کے ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح انسان دنیا میں رہتے ہوئے اس کی جائز نعمتوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ تاہم اگر دنیا کی محبت اور خواہشات اس کے دل پر غالب آ جائیں تو اس کے دینی اور اخلاقی معاملات متاثر ہو سکتے ہیں۔ اس لیے اسلام نے دنیا سے فائدہ اٹھانے کے لیے متوازن حدود مقرر کی ہیں تاکہ انسان دین اور دنیا دونوں میں کامیاب رہ سکے۔

اسلام کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ انسانی فطرت اور جائز ضروریات کا پورا لحاظ رکھتا ہے۔ اسلام انسان کو اپنی حلال خواہشات پوری کرنے کی اجازت دیتا ہے اور رہبانیت یا دنیا سے مکمل کنارہ کشی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ بعض مذاہب میں دنیاوی زندگی ترک کرنے اور گوشہ نشینی اختیار کرنے کو فضیلت سمجھا گیا، لیکن اسلام نے اس طرزِ فکر کو انسانی فطرت کے خلاف قرار دیتے ہوئے ایک متوازن زندگی کی تعلیم دی ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ چند صحابۂ کرامؓ نے زیادہ عبادت کی نیت سے غیر معمولی طرزِ زندگی اختیار کرنے کا ارادہ کیا۔ ایک نے ہمیشہ روزے رکھنے، دوسرے نے نکاح نہ کرنے اور تیسرے نے ساری رات عبادت میں گزارنے کا عزم کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں اعتدال کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ اگرچہ آپ ﷺ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والے ہیں، لیکن اس کے باوجود کبھی روزہ

رکھتے ہیں اور کبھی افطار کرتے ہیں، نکاح بھی کرتے ہیں، عبادت بھی کرتے ہیں اور آرام بھی فرماتے ہیں۔ اس ارشاد کے ذریعے آپ ﷺ نے واضح کیا کہ اسلام میں عبادت اور دنیاوی ذمہ داریوں کے درمیان توازن اور میانہ روی مطلوب ہے۔[3]

دوسری حدیث

"عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَقُومُ اللَّيْلَ وَتَصُومُ النَّهَارَ؟» قُلْتُ: إِنِّي أَفْعَلُ ذَلِكَ، قَالَ:فَإِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذَلِكَ هَجَمَتْ عَيْنُكَ، وَنَفِهَتْ نَفْسُكَ، وَإِنَّ لِنَفْسِكَ حَقًّا، وَلِأَهْلِكَ حَقًّا، فَصُمْ وَأَفْطِرْ، وَقُمْ وَنَمْ"[4]

"حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "کیا مجھے یہ خبر نہیں ملی کہ تم رات بھر عبادت کرتے ہو اور دن میں روزے رکھتے ہو؟" میں نے عرض کیا: جی ہاں، میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم ایسا کرتے رہو گے تو تمہاری آنکھیں کمزور ہو جائیں گی اور تمہارا نفس تھک جائے گا۔ بے شک تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے اہل و عیال کا بھی تم پر حق ہے، اس لیے روزہ بھی رکھا کرو اور افطار بھی کیا کرو، عبادت بھی کرو اور آرام بھی کیا کرو۔"

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اعتدال اور توازن کی تعلیم دی ہے۔ اسلام کسی بھی ایسی عبادت یا عمل کو پسند نہیں کرتا جس سے انسان کی جسمانی، ذہنی یا خاندانی ذمہ داریاں متاثر ہوں۔ مسلسل عبادت اور ہر وقت روزے رکھنے سے انسان کمزور ہو جاتا ہے اور اس کی قوتِ عمل متاثر ہوتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے یہ اصول دیا ہے کہ عبادت بھی کی جائے، لیکن جسم، نفس اور اہلِ خانہ کے حقوق بھی پورے کیے جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک متوازن اور فطری دین ہے جو ہر پہلو میں میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد ہے:

" كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ" [5]

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی رہنمائی کے لیے پیدا کی گئی ہے؛ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر کامل ایمان رکھتے ہو۔"

امتِ مسلمہ کی ایک اہم خصوصیت دعوت و تبلیغ ہے۔ اس سے قبل یہ فریضہ انبیاء کرام علیہم السلام انجام دیتے تھے، جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے تھے۔ تاہم نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور قیامت تک کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، اس لیے یہ ذمہ داری اب امتِ مسلمہ کے سپرد کر دی گئی ہے۔ اسی بنا پر احادیث میں علماء کو انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے، کیونکہ وہ دین کی تعلیمات کو آگے پہنچانے اور معاشرے کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

" مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ "[6]

تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے (روکنے کی کوشش کرے)، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (اسے برا جانے)۔ اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔"

اتحاد اور اخوت

امتِ مسلمہ کی ایک اہم خصوصیت اس کا اتحاد اور باہمی اخوت ہے۔ جب تک یہ وصف قائم رہے، کوئی بھی دشمن امت کو کمزور نہیں کر سکتا۔

اسلامی تعلیمات میں بھی اتحاد اور بھائی چارے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ، وَتَرَاحُمِهِمْ، وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى"[7]

"مومنوں کی مثال آپس کی محبت، رحم دلی اور ہمدردی میں ایک جسم کی مانند ہے کہ اگر جسم کا کوئی ایک عضو بیمار ہو جائے تو باقی سارا جسم بے خوابی اور بخار کے ساتھ اس کا درد محسوس کرتا ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے:

"الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا"[8]

" مومن، مومن کے لیے ایک عمارت کی مانند ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔"

اس مثال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں، اور جب کسی ایک مسلمان پر ظلم ہو تو دوسرا مسلمان اس کے دکھ کو محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا بلکہ اس کی مدد کے لیے آگے بڑھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار کے درمیان جو اخوت قائم فرمائی، اس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ اس دور میں انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ جس ایثار اور ہمدردی کا مظاہرہ کیا، وہ بے مثال تھا۔ یہاں تک کہ بعض انصاری صحابہؓ نے اپنی جائیدادیں اور اموال تک اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ تقسیم کر دیے، اور انتہائی ایثار کے جذبے کے تحت اپنے گھریلو معاملات میں بھی قربانی دینے کو تیار ہو گئے۔ یہی مضبوط اخوت اور باہمی محبت وہ بنیادی قوت تھی جس کی وجہ سے دشمنانِ اسلام ہمیشہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہے۔ اسی اتحاد کو توڑنے کے لیے دشمنوں نے مختلف منصوبے بنائے، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر مسلمانوں میں اختلاف اور تقسیم پیدا کر دی جائے تو ان کی قوت کمزور ہو جائے گی اور ان پر غلبہ حاصل کرنا آسان ہو جائے گا۔

ایک اور حدیث میں اتفاق کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ أُمَّتِي لَا تَجْتَمِعُ عَلَى الضَّلَالَةِ "[9]

"میری پوری امت بیک وقت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔"

ان میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالفُرْقَةَ"[10]

"تم پر لازم ہے کہ جماعت کو اختیار کرو اور فرقہ بندی سے بچو۔"

یہ تمام احادیث اتفاق اور اتحاد کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ"[11]

" مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں (یعنی کسی کو اس کی باتوں یا عمل سے تکلیف نہ پہنچے)۔"

یہ حدیث اس بات پر زور دیتی ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے اور اسے اپنی زبان یا ہاتھ سمیت کسی بھی ذریعے سے تکلیف نہیں پہنچانی چاہیے۔

مندرجہ بالا احادیثِ نبویہ ﷺ امتِ مسلمہ کی فکری، اخلاقی اور اجتماعی پہچان کو واضح کرتی ہیں۔ ان تعلیمات سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ مسلمان افراد محض عقیدے کے رشتے سے ہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور ایک زندہ، باشعور اور مربوط معاشرے کی حیثیت رکھتے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے ایک مضبوط عمارت یا ایک جسم کے اعضاء باہم مربوط ہوتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے نیکی کے فروغ، برائی کے خاتمے، باہمی محبت و ہمدردی، اتحادِ امت اور اجتماعی نظم وضبط کو اختیار کرنے کی جو ہدایات دی ہیں، وہ امت کے استحکام اور بقا کی بنیاد ہیں۔ اسی طرح اس اصول سے بھی رہنمائی ملتی ہے کہ امتِ مسلمہ اجتماعی طور پر کسی ایسی راہ پر متفق نہیں ہو سکتی جو مکمل گمراہی پر مبنی ہو۔ ان تمام تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ امت کی اصل طاقت اس کے ایمان، اتحاد، اخلاقی ذمہ داری اور اجتماعی شعور میں پوشیدہ ہے۔ آج کے دور، خصوصاً ڈیجیٹل زمانے میں، ان تعلیمات کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے جہاں فکری انتشار اور معلوماتی کثرت کے باوجود امت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اتحاد، اعتدال اور باہمی احترام کو برقرار رکھے تاکہ وہ اپنی بہترین امت ہونے کی حیثیت کو قائم رکھ سکے۔

اسلامی اقدار

امت مسلمہ کے اسلامی اقدار قران و سنت پر مبنی ہیں مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ توحید ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی کا یہی درس تھا کہ اللہ ایک ہے ہر نبی نے توحید کا پیغام دنیا تک پہنچایا۔ قرآن پاک میں توحید کے بارے میں ارشاد ہے:

" لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا"[12]

"اگر کائنات میں اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود ہوتا تو ان دونوں میں فساد ضرور ہوتا۔"

اس آیت میں اللہ تعالی نے توحید کی دلیل دی ہے کہ دو لوگوں میں اختلاف کا ہونا ناگزیر ہے لیکن کائنات کے نظام میں ذرہ برابر بھی تبدیلی یا اختلاف واقع نہیں ہوتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کے سارے نظام کو چلانے والی ایک ہی ذات ہے۔

رسالت

دوسرا بنیادی عقیدہ ختمِ نبوت اور رسالت پر ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں اپنی ہدایت کے لیے آسمانی کتابیں نازل فرمائیں جن میں تورات، انجیل، زبور اور قرآنِ مجید شامل ہیں۔ بعض سابقہ امتیں اگرچہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کرتی تھیں، لیکن وہ رسالت کے تصور کو محدود سمجھتے ہوئے صرف اپنے اپنے نبیوں کو مانتی تھیں۔ اس کے برعکس امتِ مسلمہ کا امتیاز یہ ہے کہ وہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان رکھتی ہے اور ان سب کا احترام کرتی ہے، جبکہ آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر مکمل ایمان لانا اس کے عقیدے کا لازمی حصہ ہے۔

اہلِ کتاب ابتدا میں نبی کریم ﷺ کی آمد اور آپ کی نبوت سے آگاہ تھے کیونکہ ان کی مقدس کتابوں میں آپ ﷺ کے بارے میں واضح اشارے موجود تھے، لیکن بعد میں انہوں نے ان میں تبدیلیاں کر کے اصل تعلیمات کو چھپا دیا اور آپ ﷺ کی نبوت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

قرآنِ مجید میں اہلِ کتاب کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ"[13]

"وہ اسے اسی طرح پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔"

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ کتاب نبی کریم ﷺ کی سچائی اور آپ کی نبوت کی علامات کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ جس طرح ایک انسان اپنے بیٹوں کو بغیر کسی شک وشبہ کے فوراً پہچان لیتا ہے، اسی طرح وہ لوگ بھی رسول اللہ ﷺ کی صفات، نشانیوں اور سچائی سے مکمل طور پر واقف تھے۔ اس کے باوجود بعض لوگوں نے ضد، حسد یا دنیاوی مفاد کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کیا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حق کو پہچان لینا کافی نہیں ہوتا بلکہ اس پر ایمان لانا اور اسے تسلیم کرنا اصل کامیابی ہے۔

صدق

سچائی امت مسلمہ کا نمایاں وصف ہے نبی کریم ﷺ کو 40 سال کی عمر میں نبوت ملی لیکن بچپن سے ہی آپ کو کفار عرب صادق اور امین کے لقب سے پکارا کرتے تھے غیر مسلم بھی اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ آپ ہمیشہ سچ بولا کرتے تھے۔

ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى البِرِّ، وَإِنَّ البِرَّ يَهْدِي إِلَى الجَنَّةِ"[14]

"بے شک سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے، اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔"

امانت داری

امت مسلمہ کی دوسری خصوصیت امانت کو پورا کرنا ہے خواہ وہ مال میں ہو یہ معاملات میں ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کا ارادہ کیا تو اپنی امانتیں حضرت علی کے حوالے کیں انہیں اپنے بستر پر لٹایا اور پھر ہجرت کے لیے روانہ ہو گئے تاکہ حضرت علی ان امانتوں کو ان کے مالک تک پہنچا دیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کس قدر امانتدار تھے کہ کافر جو آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے اپنی امانتیں انہوں نے آپ کے پاس رکھی ہوئی تھی کیونکہ انہیں علم تھا کہ آپ امانت میں خیانت نہیں کر سکتے۔

البتہ یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ امانت کا تصور صرف مال تک محدود رہ گیا ہے کہ اگر کسی نے مال رکھوایا تو اس کو باحفاظت پیسے ہی واپس کرنا ہے لیکن در حقیقت امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے اس کا حقیقی مطلب ہے حقدار کو اس کا پورا حق دینا، جس کسی انسان کے ذمے جو کام لگایا گیا ہے اس کو پوری امانت داری سے پورا کرے، اس میں کوئی کمی کوتاہی نہ کرے اگر استاد ہے تو اپنے لیکچر کا پورا وقت اپنے شاگردوں کو دے، اگر مزدور ہے تو اپنے مزدوری کے وقت میں کوئی کوتاہی نہ کرے اسی طرح ہر کام کرنے والا اپنے کام کو اس کے حقوق کے ساتھ ادا کرے۔

ایک اور حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا:

"اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَتِ" [15]

کہ مجلس کی باتیں بھی امانت ہوتی ہیں ان کو آگے مے پھیلانا بھی امانت میں خیانت شمار ہو گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ، وَأَمِينُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ"[16]

"ہر امت میں ایک امین ہوتا ہے اور بے شک اس امت کے امین ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں۔"

واقعہ حضرت عمر فاروق

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے ایک مرتبہ وہ بیت المال کا کام کر رہے تھے تو بیت المال کا چراغ جل رہا تھا تھوڑی دیر بعد ذاتی گفتگو شروع ہو گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ چراغ بجھا دیا اور اپنا ذاتی چراغ جلا لیا جب لوگوں نے پوچھا تو جواب دیا کہ یہ عوام کا مال ہے اسے صرف عوام کے کام میں ہی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ایفائے عہد

وعدہ پورا کرنا بھی امت مسلمہ کی خصوصیات میں سے ہے عہد کی پاسداری ایمان کی علامت میں سے ہے حدیث میں وعدہ خلافی کرنے والے کو منافق کہا گیا ہے۔ حدیث نبوی کا مفہوم ہے:

" آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ"[17]

"منافق کی تین علامتیں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے، جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے۔"

دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

"لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ"[18]

"جس شخص میں امانت داری نہیں اس کا ایمان نہیں، اور جو وعدہ پورا نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں۔"

حضرت ابو جندل کا واقعہ

صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک معاہدہ طے پایا جس کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر مکہ سے کوئی شخص اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ جائے گا تو اسے واپس اہلِ مکہ کے حوالے کر دیا جائے گا۔ ابھی یہ معاہدہ مکمل طور پر طے ہی ہوا تھا کہ حضرت ابو جندلؓ، جو اسلام قبول کرنے کی وجہ سے قید و بند میں تھے، بیڑیوں سمیت وہاں پہنچ گئے اور مسلمانوں کے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی۔ تاہم نبی کریم ﷺ نے معاہدے کی پاسداری کرتے ہوئے انہیں واپس اہلِ مکہ کے حوالے کر دیا اور انہیں صبر و تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جلد کوئی بہتر راستہ پیدا فرمائے گا۔

یہ فیصلہ صحابۂ کرامؓ کے لیے بظاہر مشکل اور ناگوار تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے وعدے اور معاہدے کی پابندی کو مقدم رکھا اور کسی بھی صورت میں عہد شکنی نہیں فرمائی۔[19]

حضرت عبد اللہ بن ابی الحمساء کا واقعہ

حضرت عبد اللہ بن ابی الحمساءؓ بیان کرتے ہیں کہ بعثتِ نبوی سے پہلے میں نے نبی کریم ﷺ سے ایک چیز خریدی تھی جس کی کچھ رقم باقی رہ گئی۔ میں نے آپ ﷺ سے ایک مقام پر ملاقات کا وعدہ کیا، لیکن گھر جا کر میں وہ وعدہ بھول گیا۔ تین دن بعد جب مجھے یاد آیا تو میں اسی جگہ پہنچا تو دیکھا کہ نبی کریم ﷺ اسی مقام پر تشریف فرما ہیں اور انتظار فرما رہے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا کہ تم نے مجھے مشقت میں ڈال دیا، میں تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔[20]

مساوات

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں مختلف قبیلوں اور قوموں میں اس لیے تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو۔ یاد رکھو کہ تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سیاہ فام کو گورے پر اور نہ ہی کسی گورے کو سیاہ فام پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ اللہ کے نزدیک عزت اور فضیلت کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔[21]

امت مسلمہ کے زوال کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ آج وہ متحد ہونے کے بجائے فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں ایک ہی ملک میں رہنے والے مسلمانوں کی الگ پہچان ہے کوئی پنجابی ہے، تو کوئی بلوچی ہے، کوئی سندھی ہے یہی وہ چیز ہے جس کا دشمنان اسلام نے فائدہ اٹھایا کیونکہ جب تک مسلمان متحد ہیں انہیں دنیا کی کوئی طاقت مغلوب نہیں کر سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اَنتُمُ الاَعلَوْنَ اِن کُنتُم مُؤمِنِین" [22]

"اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔"

دور نبوی میں اس طرح کی کوئی تفریق نہیں تھی نہ رنگ اور نسل کا کوئی امتیاز تھا نہ ہی مسلک کا فرق بس سب کی ایک ہی پہچان تھی کہ وہ مسلمان ہیں مہاجرین اور انصار نے اخوت کا وہ مظاہرہ کیا جو آج کے حقیقی بھائیوں میں بھی ممکن نہیں۔

صبر و شکر:

صبر اور شکر ایمان کے دو بنیادی اجزاء ہیں جن کے بغیر ایمان کی تکمیل ممکن نہیں۔ موجودہ دور میں نوجوان نسل مختلف مسائل کا سامنا کر رہی ہے جن میں ذہنی دباؤ، ڈپریشن، احساسِ کمتری اور مایوسی سرفہرست ہیں۔ ان مسائل کی ایک بڑی وجہ صبر اور شکر کے جذبے کی کمی ہے، کیونکہ جب انسان مشکلات پر صبر اور نعمتوں پر شکر ادا نہیں کرتا تو وہ جلد ذہنی انتشار اور بے چینی کا شکار ہو جاتا ہے۔ حدیث نبوی کا مفہوم ہے:

آپ نے فرمایا مومن کے معاملے پر تعجب ہے اس کا ہر معاملہ خیر ہی خیر ہے اور یہ بات مومن کے علاوہ کسی اور میں نہیں اگر اسے خوشی ملے تو وہ شکر ادا کرتا ہے جو اس کے لیے بھلائی ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت یا تکلیف پہنچے تو اس پر وہ صبر کرتا ہے اس میں بھی اس کے لیے بھلائی ہے۔ [23]

یہ حدیث امتِ مسلمہ کی شناخت کی ایک اہم بنیاد کو واضح کرتی ہے۔ اگر انسان صبر اور شکر کی صفات کو اپنی زندگی میں اپنا لے تو بہت سے ذہنی اور عملی مسائل کم ہو سکتے ہیں، کیونکہ انسانی زندگی خوشی اور غم کے امتزاج سے عبارت ہے۔ خوشی کے مواقع پر انسان کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، جبکہ مشکلات اور تکالیف کے وقت انہیں اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھ کر صبر اختیار کرنا چاہیے۔ اس رویے سے انسان مایوسی اور ناامیدی سے محفوظ رہتا ہے۔

تاہم موجودہ دور میں یہ صفات بہت کم دیکھنے کو ملتی ہیں۔ لوگ اپنی موجودہ نعمتوں کی قدر کرنے کے بجائے غیر ضروری خواہشات اور لالچ میں مبتلا رہتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ ناشکری کا شکار ہو جاتے ہیں اور مزید نعمتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اسی حقیقت کی طرف قرآنِ مجید بھی رہنمائی کرتا ہے:

"لَئِن شَکَرتُم لَاَزِیدَنَّکُم "[24]

"اگر تم شکر ادا کرو گے تو ہم تمہیں اور زیادہ دیں گے۔"

بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ:

بنی اسرائیل کے ایک مالدار شخص نے حضرت موسی علیہ السلام سے کہا کہ اللہ تعالی سے کہیں میرا رزق کم کر دے حضرت موسی علیہ السلام نے اللہ تعالی سے بات کر کے جواب دیا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں تم شکر ادا کرنا بند کر دو ہم تمہارا رزق بند کر دیں گے بندے نے تڑپ کر کہا کہ اتنی نعمتوں پر میں شکر ادا کرنا کیسے چھوڑ دوں تو پھر اللہ تعالی نے فرمایا کہ شکر گزار بندے کا رزق میں کیسے بند کر دوں۔ [25]

خلاصہ یہ ہے کہ شکر سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور ناشکری کرنے سے نعمتوں میں کمی آتی ہے۔

ایثار:

ایثار کا مطلب ہے خود ضرورت مند ہونے کے باوجود دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دینا اور اس کی حاجت پوری کرنا یعنی دوسروں کے فائدے کے لیے خود کو قربان کرنا۔ ایثار بھی امت مسلمہ کی خاصیت ہے اللہ تعالی قران پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

"وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ"[26]

"وہ اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود ضرورت مند ہوں۔"

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ"[27]

" تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"

حضرت ابو طلحہ کے ایثار کا واقعہ

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص مہمان آیا۔ آپ نے ازواج مطہرات کے گھر سے پتہ کروایا تو کسی کے پاس کھانے کے لیے کچھ موجود نہ تھا اس وقت آپ نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ میرے اس مہمان کی مہمان نوازی کون کرے گا ایک صحابی کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ اس کی مہمان نوازی میں کروں گا مہمان کو لے کر اپنے گھر گئے اور اپنی بیوی سے پوچھا کہ کھانے کے لیے کچھ ہے بیوی نے جواب دیا کہ تھوڑا سا بچوں کے لیے بچا کے رکھا ہے حضرت ابو طلحہ نے کہا کہ بچوں کو بہلا کر سلا دینا اور جو کھانا رکھا ہے وہ مہمان کے سامنے پیش کر وا اور جب کھانا لگا دینا تو چراغ کو بجھا دینا کیونکہ عرب میں یہ رواج تھا کہ میزبان مہمان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اسی لیے چراغ بجھانے کا کہا تا کہ مہمان پیٹ بھر کر کھانا کھالے، اور اندھیرا ہونے کی وجہ سے اسے یہ معلوم نہ ہو کہ میزبانوں نے اس کے ساتھ کھانا نہیں کھایا بیوی نے ایسا ہی کیا بچوں کو کسی طرح سلا دیا اور کھانا مہمان کے سامنے پیش کر دیا صبح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی سے فرمایا کہ اللہ تعالی کو تمہاری یہ مہمان نوازی بہت پسند آئی۔[28]

غزوہ احد میں ایثار کی مثال

غزوہ احد میں جب مسلمانوں کو مشقت پیش آئی تو ایک انصاری عورت شربت کا پیالہ لے کے آئی تا کہ زخمیوں کو پلائے، وہ بیان کرتی ہے میدان جنگ میں ایک بزرگ صحابی کو میں نے زخموں سے چور دیکھا، اس نے اشارہ کیا کہ مجھے پانی دو جب میں پانی لے کے اس کے قریب پہنچی تو دوسرے زخمی نے پکارا کہ مجھے پانی دو پہلے زخمی نے پانی نہ پیا اور مجھے کہا کہ دوسرے کے پاس لے جاؤ جب میں اس کے پاس پہنچی تو تیسرے زخمی نے پکارا پانی اس نے بھی نا پیا اور کہا کہ اس کے پاس لے جاؤ یہاں تک کہ اس طرح میں سات زخمیوں کے پاس پہنچی جب میں ساتویں کے پاس پہنچی اور اس نے پانی پینا چاہا تو جاں بحق ہو گیا میں پانی لے کر چھٹے کے پاس پہنچی تو اس نے بھی جان دے دی اس طرح ہر ایک زخمی نے اپنی جان کو اللہ کے حوالے کر دیا اور کسی نے ایک دوسرے کے ایثار میں پانی نہیں پیا۔[29]

اسی طرح کا واقعہ جنگ یرموک میں بھی حضرت ابو جہم بن حذیفہ کے ساتھ پیش آیا کہ جب وہ اپنے کزن صحابی کے لیے پانی لے کر پہنچے تو وہاں تین زخمی صحابہ حارث بن ہشام، عکرمہ بن ابی جہل، عیاش بن ربیعہ موجود تھے انہوں نے بھی ایثار میں پانی نہیں پیا اور تینوں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

توکل

توکل کا مطلب ہے اسباب اور وسائل کو اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالی پر مکمل بھروسہ کرنا توکل ایمان کی بنیاد ہے اور اللہ تعالی کے مقربین کی صفت ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

" وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ "[30]

"اور جو اللہ تعالی پر بھروسہ کرے اللہ اسے کافی ہے۔"

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"يَدْخُلُ الجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ، هُمُ الَّذِينَ لاَ يَسْتَرْقُونَ، وَلاَ يَتَطَيَّرُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ"[31]

"میری امت میں سے ستر ہزار لوگ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ دم کرواتے ہیں، نہ بدشگونی لیتے ہیں، اور اپنے رب پر مکمل بھروسہ رکھتے ہیں۔"

اس حدیث میں ان خوش نصیب لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی تین اہم صفات بیان فرمائیں: نہ وہ دم کروانے کے لیے دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں، نہ وہ بدشگونی یا توہم پرستی کا شکار ہوتے ہیں، اور وہ ہر حال میں صرف اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ رکھتے ہیں۔

ان صفات کا اصل مقصد یہ سمجھانا ہے کہ حقیقی ایمان انسان کو دوسروں پر انحصار کرنے کے بجائے اللہ پر توکل سکھاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ علاج یا جائز اسباب اختیار کرنا منع ہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ انسان کا دل ہر طرح کے خوف، توہم اور غیر ضروری وابستگی سے پاک ہو اور وہ ہر معاملے میں اللہ کی ذات کو ہی اصل سہارا سمجھے۔

آج کے دور میں ذہنی دباؤ اور مایوسی کے مسائل بہت زیادہ بڑھ رہے ہیں توکل ہی اس کا واحد علاج ہے کیونکہ جب اللہ پر کامل توکل ہو گا تو پھر انسان کسی بھی مصیبت میں گھبرائے گا نہیں بلکہ اللہ تعالی کی حکمت سمجھ کر قبول کرے گا۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"لَوْ أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ؛ لَرَزَقَكُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ، تَغْدُو خِمَاصًا، وَتَرُوحُ بِطَانًا"[32]

"اگر تم اللہ پر اس طرح بھروسہ کرو جیساکہ اس پر بھروسہ کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اسی طرح رزق دے گا جیسے پرندوں کو رزق دیتا ہے؛ وہ صبح کے وقت بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔"

غارِ ثور کا واقعہ

جب کفارِ مکہ نے نبی کریم ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا تو آپ ﷺ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ ہجرت کے لیے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے اور غارِ ثور میں قیام فرمایا۔ دشمن تعاقب کرتے ہوئے غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے گھبراہٹ اور فکر کا اظہار کیا تو نبی کریم ﷺ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

"لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا "[33]

"غم نہ کرو بے شک ہمارے سات ھ تیسرا اللہ تعالی ہے۔"

سادگی

اگر دورِ نبوی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی زندگی نہایت سادہ اور بے تکلف تھی۔ آپ ﷺ اپنے گھریلو اور ذاتی کام خود انجام دیتے تھے اور اکثر اوقات سادہ اور پیوند لگے ہوئے کپڑے بھی زیبِ تن فرمالیتے تھے۔ مسجدِ نبوی میں آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے درمیان بغیر کسی امتیاز کے تشریف فرما ہوتے تھے۔

صحابہ کرامؓ بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی اجنبی شخص مسجدِ نبوی میں داخل ہوتا تو اسے یہ پہچاننے میں دشواری پیش آتی کہ رسول اللہ ﷺ کون ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کی کوئی مخصوص نشست یا امتیازی مقام نہیں ہوتا تھا۔ اس سے نبی کریم ﷺ کی عاجزی، سادگی اور مساوات کا عملی نمونہ واضح ہوتا ہے۔[34]

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور دیکھا کہ آپ ﷺ زمین پر بستر بچھا کر سو رہے ہیں اور آپ کے جسم مبارک پر چٹائی کے نشان ہیں تو حضرت عمر نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ ہم دیکھتے ہیں کہ قیصر اور کسریٰ کے پاس بہت سے خزانے ہیں اور وہ کس قدر عیش و ارام میں ہیں اور آپ کے جسم مبارک پر چٹائی کے نشان ہیں۔[35]

آپ ﷺ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا واسطہ میری اور دنیا کی مثال تو ایسے ہے جیسے کوئی مسافر سفر کر رہا ہو اور تھوڑی دیر ارام کرنے کے لیے درخت کے نیچے رک جائے پھر دوبارہ سے اپنا سفر شروع کر دے۔[36]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سادگی

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق جن کی حکومت 22 لاکھ مربع میل تک تھی انہوں نے بھی اپنے لیے شاہانہ زندگی کو پسند نہیں کیا بلکہ رسول اللہ کی اتباع میں نہایت سادہ طرز اپنایا، ایک مرتبہ جمعہ کے خطبے میں تاخیر سے آئے، جب لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ کرتہ ایک ہی تھا اس کو دھو کر سکھانے کی وجہ سے تاخیر ہو گئی۔

جب شام اور فلسطین فتح ہوا تو عیسائیوں نے یہ شرط رکھی کہ وہ بیت المقدس کی چابیاں صرف خلیفہ وقت کو ہی دیں گے تو حضرت عمر فاروق مدینہ سے بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے آپ کے ساتھ کوئی بڑا لشکر اور شان و شوکت نہیں تھی بلکہ آپ اپنے ایک اونٹ اور ایک خادم کے ساتھ مدینہ سے چلے راستے میں آپ اور خادم اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے جب بیت المقدس پہنچے تو اونٹ پر سوار ہونے کی باری خادم کی تھی عیسائی حکمران یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے کہ یہ وہ حکمران ہے جس سے قیصر اور کسریٰ کانپتے ہیں اور وہ لوگ اسلام کی خوبصورتی سے متاثر ہوئے۔[37]

امت مسلمہ میں آج یہ وصف بھی بہت کم نظر اتا ہے سادگی کی جگہ بناوٹ اور دکھاوے نے لے لی ہے ہر انسان دوسرے سے بہتر نظر آنے کی کوشش میں ہے۔

تقویٰ

تقوی کا مطلب ہے پرہیز گاری اور اللہ تعالی کا ڈر۔ اگر یہ کہا جائے کہ امت مسلمہ کی دنیاوی اور اخروی ترقی کا راز تقوی میں ہے تو یہ غلط نہ ہو گا کیونکہ تقوی ہی وہ چیز ہے جس سے جرائم کا سدباب ہو سکتا ہے اور ہر حقدار کو اس کا حق مل سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دور نبوی میں جرائم بہت کم نظر اتے ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ دربار نبوت سے تربیت پانے کے بعد ان کے دل تقوی سے مالا مال تھے اور وہ تنہائی میں بھی گناہ کرنے سے ڈرتے تھے۔ وہاں صرف قانون بنائے نہیں جاتے تھے بلکہ جرائم پر سزائیں جاری بھی کی جاتی تھی جس کی وجہ سے لوگوں میں خوف بیٹھتا اور وہ اس جرم کے مرتکب نہیں ہوتے تھے۔ اس کے باوجود ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد مجرم نے خود دربار رسالت میں آکر اقرار کیا کہ اس سے یہ گناہ ہو گیا ہے لہذا اس پر حد جاری کی جائے۔

غامدیہ قبیلے کا واقعہ

قبیلہ غامدیہ کی ایک عورت سے بدکاری کا گناہ سرزد ہو گیا۔ وہ خود نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھ سے یہ گناہ ہو گیا ہے، اس لیے مجھے پاک فرمائیے اور مجھ پر شرعی حد نافذ کیجئے۔

نبی کریم ﷺ نے اسے فوری سزا دینے کے بجائے اس کے بچے کی پیدائش اور اس کے دودھ چھڑانے تک انتظار کا حکم دیا۔ جب وہ مدت پوری ہو گئی اور بچہ خود کفیل ہو گیا تو اس کے بعد اس پر حد جاری کی گئی۔

بعد ازاں نبی کریم ﷺ نے اس کی توبہ کی قبولیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اگر اسے اہل مدینہ کے درمیان تقسیم کر دیا جائے تو وہ سب کے لیے کافی ہو جائے۔[38]

یہ تھا اللہ کا ڈر جس کی وجہ سے وہ اپنے اپ کو خود سزا کے لیے پیش کر دیتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے آخرت کی سزا کے بدلے دنیا کی سزا معمولی ہے۔

حضرت عمر فاروق کا خوف خدا

یہ تقوی ہی کا اثر تھا کہ اس وقت کے حکمران "سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ" کی عملی تصویر تھے۔ ایک عام انسان بھی ان سے باز پرس کر سکتا تھا۔ حضرت عمر رات کو گلیوں کے چکر لگایا کرتے تھے کہ کہیں کوئی انسان بھوکا نہ ہو یا کوئی ضرورت مند ہو تو اس کی ضرورت پوری کی جائے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رات کو گشت کر رہے تھے کہ گھر سے بچوں کے رونے کی آواز آئی جب حضرت عمر اجازت لے کر اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک عورت نے ہانڈی میں خالی پانی ڈال کر چولہے پہ چڑھایا ہوا ہے اور بچے بھوک سے رو رہے ہیں حضرت عمر نے اس کی وجہ پوچھی تو عورت نے کہا کہ گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہیں ہانڈی اس لیے چڑھائی ہے کہ بچے بہل کر سو جائیں۔ حضرت عمر وہاں سے بیت المال تشریف لے گئے وہاں سے اناج اٹھایا اور اپنی کمر پر لادا اپ کے خادم نے کہا کہ وہ مجھ میں اٹھا لیتا ہوں حضرت عمر نے فرمایا کیا قیامت کے دن بھی میرا بوجھ تم اٹھاؤ گے ؟ واپس آکر حضرت عمر نے خود اس اناج سے ہانڈی تیار کی اور بچوں کو کھلایا۔[39]

حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ اگر دریا کنارے ایک جانور بھی بھوکا مر گیا تو قیامت کے دن مجھے اس کا حساب دینا ہو گا۔

موجودہ دور میں جو جرائم کی شرح بڑھتی جا رہی ہے اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ قوانین تو بنائے گئے ہیں لیکن سزائیں جاری نہیں کی جاتی بغیر سزا کے بار بار اس گناہ کا (اخباروں یا میڈیا پہ) ذکر کرنا لوگوں کے دلوں سے اس گناہ کی برائی کو ختم کر دیتا ہے کیونکہ جس شخص کو اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف نہیں ہے اور اللہ سے ملنے کا شوق نہیں تو وہ اخرت کے لیے کوئی محنت نہیں کرے گا دنیا کی زندگی پر ہی وہ راضی ہو جائے گا اس کے ساری فکر جدوجہد صرف دنیا تک ہی محدود ہو گی۔

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ ڈیجیٹل دور میں جہاں اسلام کو پھیلانے، تبلیغ کرنے میں مدد دی ہے وہیں امت کے لیے بہت سی مشکلات بھی پیدا کر دی خصوصا نوجوان نسل میں اسلاموفوبیا، شکوک وشبہات، اور فرقہ واریت کو جنم دیا۔ امت مسلمہ کی شناخت جن اسلامی اقدار سے ہوتی ہے ان کو غیر مسلم بھی نہیں جھٹلا سکتے کیونکہ انسانی عقل خود تسلیم کرتی ہے کہ سچائی، دیانت، وعدہ پورا کرنا اور شجاعت محاسن اخلاق میں سے ہیں جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو کفار نے ان کا تعاقب کیا اور نجاشی بادشاہ کے دربار میں یہ دعوی کیا کہ ہماری قوم کے چند نوجوان کسی نبوت کا دعوی کرنے والے شخص کے بہکاوے میں آکر اپنے آبائی دین کو چھوڑ چکے ہیں اس وقت حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے تھے، شراب پیتے تھے، بیٹیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے اور ہر برائی کا ارتکاب کرتے تھے اسی اثنا میں اللہ تعالی نے ہم پر فضل کیا اور اپنا ایک رسول ہم میں مبعوث فرمایا۔

جس نے ہمیں سچائی، امانت داری، رشتہ داروں، والدین سے حسن سلوک، اور ایک اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا جس پر ہماری قوم کے لوگ ہمارے دشمن بن گئے۔ یہ سن کر نجاشی کی انکھوں میں آنسو اگئے اور اس نے کہا کہ میں ان لوگوں کو ہر گز تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ انہی عظیم تعلیمات کی بدولت مسلمان مشرق اور مغرب میں پھیل گئے اور بے پناہ ترقی کی جس نے غیر مسلموں کو اس طرف متوجہ کیا کہ آخر ان کی ترقی کا راز کیا ہے۔ جب غیر مسلموں کو سمجھ آیا کہ مسلمانوں کی حکمرانی کا راز قران و سنت پر مبنی تعلیمات ہیں اس وقت انہوں نے سوشل میڈیا،

انٹرنیٹ کے ذریعے مسلمانوں کو ان کے دین سے دور کیا اور بے حیائی کو عام کیا ایک وقت تھا جب سچائی اور دیانت مسلمانوں کی پہچان تھی اور آج جھوٹ اور دھوکا مسلمانوں کی پہچان ہے۔ بڑے عہدے دار سے لے کر مزدور تک اپنا کام دیانت داری سے نہیں کرتے پھل بیچنے والا چھپکے سے خراب پھل ڈال دیتا ہے، کپڑا بیچنے والا کپڑے کے نقص کو چھپاتا ہے، سڑک بنانے والا ٹھیکیدار پوری قیمت وصول کر کے ناقص اشیا سے سڑک بناتا ہے جس کی وجہ سے کچھ ہی عرصے میں وہ سڑک ٹوٹ جاتی ہے۔ غیر مسلم ممالک میں کافر رمضان میں وہاں کے مسلمانوں کو مفت اشیا دیتے ہیں اور مسلمان رمضان میں چیزیں مہنگی کر دیتے ہیں تا کہ دنیاوی مال زیادہ کمایا جاسکے لیکن آخرت کی فکر نہیں ہے۔ اُس وقت دوسروں کی نعمتوں کو دیکھ کر اسے دعا دی جاتی تھی لیکن اب حسد کا شکار ہو جاتے ہیں ریاست مدینہ میں جب کسی دکاندار کے پاس ایک شخص کوئی چیز لینے اتا تو وہ کہتا میرے ساتھ والے بھائی کی دکان سے خرید لو کیونکہ اس کے پاس ابھی تک کوئی گاہک نہیں ایا تا کہ اسے بھی کچھ نفع حاصل ہو جائے یہ تھے وہ مکارم اخلاق جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ صلح حدیبیہ کے دوران غیر مسلموں کو مسلمانوں کے ساتھ امن کے ساتھ رہنے کا موقع ملا اور انہوں نے اسلام کا مشاہدہ کیا اور اس قدر اسلام سے متاثر ہوئے کہ تیزی سے لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے لیکن دور حاضر میں غیر مسلم اسلام قبول کرنے سے ہچکچاتے ہیں کیونکہ مسلمانوں کا عمل ان کی تعلیمات کے خلاف ہے اگرچہ کچھ مسلمان اس سے مستثنیٰ ہیں لیکن اکثریت دین سے دور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفار اپنی فلموں میں بھی اگر کسی اداکار کو مسلمانوں والا کردار میں تو اسے جھوٹا، دھوکے باز اور خائن دکھاتے ہیں جیسا کہ وہ مسلمانوں کو سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ دور حاضر کے مسلمانوں نے غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی حقیقی تصویر پیش نہیں کی۔ اور اپنی بنیادوں کو چھوڑ چکے ہیں جو کہ قرآن و سنت ہے۔ لہذا اگر امت مسلمہ اپنا کھویا ہوا وقار شناخت اور حکمرانی واپس حاصل کرنا چاہتی ہے تو اس کے لیے قران و سنت سے جڑنا ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالی کا وعدہ ہے "اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ"

نتائج

- ڈیجیٹل دور نے امتِ مسلمہ کی شناخت پر گہرے مثبت اور منفی دونوں اثرات ڈالے ہیں۔
- انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا نے دعوتِ دین، تعلیم اور معلومات کی ترسیل کو آسان اور عالمی سطح پر مؤثر بنا دیا ہے۔
- جدید ٹیکنالوجی نے رابطوں، تعلیم، کاروبار اور صحت کے شعبوں میں نمایاں سہولتیں فراہم کی ہیں۔
- دوسری طرف، اسی دور نے اخلاقی زوال، بے حیائی، فیک نیوز اور فکری انتشار کو بھی فروغ دیا ہے۔
- نوجوان نسل میں دینی کمزوری، وقت کا ضیاع اور مغربی ثقافت کی غیر ضروری تقلید میں اضافہ دیکھا گیا ہے۔
- ڈیجیٹل تقسیم (Digital Divide) کی وجہ سے دیہی اور شہری علاقوں کے درمیان معلومات اور ترقی کا فرق بڑھ گیا ہے۔
- اسلامی تعلیمات کے مطابق امت مسلمہ کی شناخت ایمان، توحید، رسالت، صداقت، امانت، تقویٰ، اتحاد اور اخلاقِ حسنہ پر قائم ہے۔ اگر ان اسلامی اصولوں کو عملی طور پر اپنایا جائے تو امت اپنی اصل شناخت برقرار رکھ سکتی ہے۔
- سوشل میڈیا اور جدید ٹیکنالوجی کو اگر اسلامی حدود کے اندر استعمال کیا جائے تو یہ امت کی ترقی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

حوالہ جات

[1] البقرہ(2):143۔

[2] ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح البخاری (دارالسلام پبلیکیشنز لاہور، 2010) کتاب النفقات، باب فضل النفقہ علی الاھل، حدیث 5351۔

[3] البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب النکاح، حدیث نمبر 5063

[4] البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الصوم، بَابُ مَا یُکْرَہُ مِنْ تَرْکِ قِیَامِ اللَّیْلِ لِمَنْ کَانَ یَقُوْمُہُ، حدیث نمبر: 1153۔

[5] آل عمران:(3)،110

[6] مسلم بن حجاج القشیری، الصحیح المسلم (ریاض دارالسلام پبلیکیشنز، لاہور)، کتاب الایمان، باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان، حدیث 49

[7] المسلم، الصحیح المسلم، حدیث: 2586۔

[8] البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الادب، حدیث 6026

[9] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، جامع ترمذی (دارالسلام پبلیکیشنز، لاہور 2007)، کتاب الفتن عن رسول اللہ، باب ماجاء فی لزوم الجماعت، حدیث 21671

[10] الترمذی، جامع ترمذی، حدیث 2165

[11] البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من للسانہ ویدہ، حدیث 10

[12] الانبیاء (21):22۔

[13] البقرہ (2):146۔

[14] البخاری، الجامع الصحیح البخاری، حدیث: 6094۔

[15] الترمذی، سنن ترمذی، کتاب البر والصلہ، باب ماجاء ان المجالس امانت، حدیث 1959

[16] البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب ابی عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، حدیث 3744

[17] البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الایمان، باب علامت المنافق، حدیث 33

[18] احمد بن حنبل، مسند احمد، کتاب مسند المکثرین من الصحابہ، حدیث 12567

[19] المسلم، صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب صلح حدیبیہ فی الحدودیہ، حدیث 4634

[20] ابو داؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد (دار السلام پبلشر، 2008)، کتاب الادب، باب فی الوعد، حدیث 4996

[21] ابو داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، "باب فی التفاخر بالاحساب" حدیث 5116

[22] آل عمران (3)،139

[23] المسلم، الصحیح المسلم، کتاب الزہد والرقاق، باب المؤمن امرہ کلہ خیر، حدیث 7500

[24] ابراہیم (14):7۔

[25] کیمیائے سعادت، امام غزالی

[26] الحشر (59):9

[27] البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ، حدیث 13

[28] البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب قول اللہ تعالیٰ ویوثرون علی انفسہم.. حدیث 3798

[29] کشف المحجوب، سید علی بن عثمان، تصنیف (465ھ)، مترجم مفتی غلام معین الدین، (2016)، ص 285

[30] الطلاق (65):3

[31] البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب من یتوکل علی اللہ ومن لایتوکل، حدیث 6472

[32] الترمذی، جامع ترمذی، کتاب الزہد، باب فی التوکل علی اللہ، (ضیاء السنہ پبلیکیشنز)، حدیث 2344

[33] التوبہ (9):40

[34] البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب العلم، باب مایذکر فی العلم والمسائل، حدیث 63

[35] البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب (آیت تبتغی مرضاۃ ازواجک) حدیث 4913

[36] الترمذی، جامع ترمذی، کتاب الزہد، باب ماجاء فی الکفاف والصبر، حدیث 2377

[37] البدایہ والنہایہ، حافظ عماد الدین ابن کثیر، (دار الکتب العلمیہ)، جلد 7، ص 55-56

[38] المسلم، الصحیح المسلم، کتاب الحدود، من اعترف بالزنا، حدیث 1695

[39] مسند احمد، فضائل صحابہ لامام احمد بن حنبل، باب فضائل عمر بن الخطاب، جلد 1، ص 290، حدیث 382